ڈاکٹر ابو جابر عبد اللہ دامانوی

علامہ حافظ محمد زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ

میرے شیخ و محسن، مربی، فضیلۃ الاستاذ اور علم حدیث کے ممتاز ماہر، فن اسماء الرجال کے شہ سوار علامہ حافظ محمد زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ دارِفانی سے کوچ کر گئے۔

مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے!!

بروز اتوار، ۵ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ / ۱۰ نومبر ۲۰۱۳ء، ساڑھے نو بجے میرے بیٹے جابر نے مجھے دامان (ضلع خٹک) سے فون کیا کہ محترم شیخ حافظ زبیر علی زئی وفات پا گئے ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، اللهمّ أْجُرْني في مصيبتي واخْلُفْ لي خيرًا مِنْها

"ہم سب اللہ کے ہیں اور ہم نے اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اے اللہ! تو اس مصیبت میں مجھے اجر عطا فرما اور اُس کا نعم البدل عطا فرما۔"

یہ خبر مجھے ریل گاڑی میں اس وقت ملی جب میں شیخ صاحب کی عیادت کر کے کراچی واپس آرہا تھا۔ اس خبر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا اور آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے۔ والدین کی وفات پر بھی غم والم ایک فطری بات ہے لیکن محترم شیخ کے بچھڑنے کا جو غم تھا، وہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ موصوف کے دنیا سے رحلت کے بعد ایسا لگا جیسے ہم یتیم ہو گئے۔ علم و عرفان اور عمل کا یہ آفتاب بہت جلد غروب ہو گیا تھا، حالانکہ ابھی ہم نے اُن سے بہت کچھ حاصل کرنا تھا۔ شیخ صاحب ہمارا بہت بڑا سرمایہ تھے اور ہم گھر بیٹھے ہی اُن سے علم کے موتی وجواہرات حاصل کر لیا کرتے تھے۔ افسوس اب وہ ہمارا سہارا ختم ہو گیا اور معلومات حاصل کرنے کا وہ عظیم الشان دروازہ بند ہو گیا۔

علمائے کرام کا اس طرح دنیا سے اُٹھ جانا ہمارا بہت بڑا نقصان ہے کہ جس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ قیامت کی علامات میں سے ایک بڑی علامت یہ بھی ہے کہ علم اور علمائے کرام دنیا

سے اُٹھتے جائیں گے۔ سید نا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا»[1]

"اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے بلکہ وہ علم کو اس طرح اُٹھائے گا کہ (حق پرست) علما کو اُٹھالے گا۔ حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں (جاہل مولویوں) کو اپنا بڑا (راہبر و راہنما) بنالیں گے۔ تو لوگ ان سے (دینی معاملات میں) سوالات کریں گے اور وہ بغیر علم کے (اپنی رائے) سے جواب دیں گے۔ اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

بچھڑا کچھ اِس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی اِک شخص پورے شہر کو ویران کر گیا

ع اب ڈھونڈ اُنہیں چراغِ رخِ زیبا لے کر!!

... محترم شیخ صاحب کی عادت تھی کہ وہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے لیے اپنے دستِ راست حافظ شیر محمد کے علاقہ دیر میں جایا کرتے تھے کیونکہ وہ ٹھنڈا علاقہ تھا لیکن گزشتہ رمضان میں شیخ صاحب وہاں بیمار ہو گئے تو اُنہیں اپنے پیر داد حضرو واپس آنا پڑا اور اس دوران علاج معالجہ سے شیخ صاحب کی طبیعت سنبھلنے لگی۔ میں ۱۵ روزہ تبلیغی دورہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ فیصل آباد، مرکز ادارۃ الاصلاح بھائی پھیرو، حافظ آباد، لاہور وغیرہ کا دورہ کرکے اپنے آبائی گاؤں داماں بتاریخ ۱۰ ستمبر ۲۰۱۳ء کو پہنچا تھا۔ دوسرے دن میں نے موبائل پر شیخ صاحب سے گفتگو کی اور اُن کو بتایا کہ میں آج آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ شیخ محترم نے مجھے بتایا کہ میں اس وقت سرگودھا میں ہوں اور میرا قیام وہاں ۲۰ دن تک رہے گا۔ میرا قیام چونکہ ایک ہفتہ تک کا تھا، پھر مجھے کراچی واپس آنا تھا لہٰذا شیخ صاحب سے ملاقات کی آرزو لیے

۱ صحیح بخاری: ۷۳۰۷

کراچی روانہ ہو گیا۔

جب ہم کراچی سے تھوڑے فاصلے پر تھے تو مجھے ایک میسج آیا جس نے مجھے سخت پریشان کر دیا۔ اس میسج میں تھا کہ شیخ صاحب پر فالج کا اٹیک ہو گیا ہے اور اُنہیں سرگودھا کے ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا ہے۔ اس خبر سے مجھے سخت دھچکا لگا اور ہم نے شیخ صاحب کے لیے دعائیں مانگنا شروع کر دیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شیخ صاحب کو اسلام آباد کے 'الشفا ہسپتال' میں منتقل کر دیا گیا ہے اور وہاں اُن کے دو آپریشن بھی ہوئے۔ اس دوران ملک کے طول و عرض میں دعاؤں کا سلسلہ جاری و ساری ہو گیا۔ خطباتِ جمعہ اور نمازوں میں بھی دعائیں ہوتی رہیں۔ میرا دل بے تاب تھا کہ کب شیخ صاحب سے ملاقات ہو گی؟

چنانچہ میں ۳۱ اکتوبر ۲۰۱۳ء کو خیبر میل کے ذریعے راولپنڈی پہنچ گیا اور وہاں سے اسلامک ریسرچ کونسل سنٹر میں کچھ دیر قیام کیا، پھر حافظ شیر محمد صاحب کے ذریعے جنرل ہسپتال راولپنڈی پہنچا اور اس وقت شیخ صاحب آئی سی یو میں داخل تھے اور اُنہیں نلکیاں لگی ہوئی تھی اور وہ بے ہوش تھے۔ اگرچہ شیخ صاحب کی آنکھیں کھلی ہوئی تھی لیکن ہوش و حواس میں نہ تھے۔ میں نے شیخ صاحب سے بات کرنے کی کوشش کی اور اُنہیں چھوا، آواز دی لیکن بے سود پھر اُنہیں دم کرنے لگا۔ اس سلسلہ میں سنن ابو داؤد کی ایک روایت بھی میرے پیش نظر تھی جس میں آتا ہے کہ اگر ان کلمات کو مریض کے سرہانے پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس مریض کو ضرور شفا دیتا ہے، سوائے موت کے (کہ موت کو کوئی نہیں روک سکتا) وہ کلمات یہ ہیں:

«اسـأل الله العظيم رب العرش العظيم أن يشفيك»

"میں اللہ عظیم سے سوال کرتا ہوں جو عرشِ عظیم کا ربّ ہے کہ وہ آپ کو شفا عطا فرمائے۔"

رات کو میں دوبارہ شیخ صاحب کے پاس آیا اور اُن کا دیدار کرتا رہا اور اس اُمید پر اُنہیں دوبارہ دم کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ اور یہ دعا بھی کرتا رہا کہ اے اللہ! ہمارے شیخ کو صحت و تندرسی عطا فرما دے۔ اے اللہ! شیخ ہمارے لیے بہت بڑا سہارا ہیں، ان کی رہنمائی کے بغیر ہم بالکل بے سہارا ہو جائیں گے۔ اے اللہ! ان کو جلد صحت و عافیت عطا فرما۔

شیخ صاحب کے اُستاد، استاذ العلما شیخ محترم حافظ عبد المنان نور پوری رحمۃ اللہ علیہ پر بھی اسی طرح فالج کا اٹیک ہوا تھا اور وہ بھی کئی دنوں تک شیخ زید ہسپتال کے آئی سی یو میں داخل تھے اور بے ہوش تھے اور اُن کو بھی اسی طرح نلکیاں لگی ہوئی تھیں۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ یہ دونوں علما جو آپس میں اُستاد و شاگرد کے رشتہ میں منسلک تھے، ایک ہی طرح کی بیماری میں مبتلا ہو کر خالق حقیقی سے جا ملے۔

دوسرے دن میں حافظ شیر محمد صاحب کے ہمراہ پیر داد حضرو پہنچا، جو شیخ صاحب کا آبائی گاؤں ہے۔ وہاں شیخ صاحب کے والد محترم مجد د خان صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اُن کی عمر اس وقت ۱۰۰ سے تجاوز کر چکی ہے۔ حافظ شیر محمد صاحب نے مجھے خطبہ جمعہ کا کہا۔ چنانچہ میں نے وہاں خطبہ جمعہ دیا اور وہاں آئے ہوئے دوستوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔ شیخ صاحب کے لیے خطبہ جمعہ اور نمازِ جمعہ میں قنوتِ نازلہ میں بھی دعائیں کی گئیں۔ اس کے بعد میں اپنے گاؤں چلا گیا اور بدھ کے دن دوبارہ شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، محترم شیخ صاحب بدستور بے ہوش تھے۔ لگتا تھا کہ وادی چھچھو کا یہ شیر گہری نیند سو چکا ہے۔ میں نے پہلے کی طرح دم و دعا کا سلسلہ جاری رکھا۔ کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ سرگودھا سے مولانا سید محمد سبطین شاہ نقوی حفظہ اللہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ ان علمائے کرام سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔

دوسرے دن بروز جمعرات میں گوجرانوالہ روانہ ہو گیا، جہاں مجھے مولانا صفدر عثمانی حفظہ اللہ کی مسجد میں جمعہ پڑھانا تھا۔ جمعہ کی رات کو بعد نمازِ عشا فضیلۃ الشیخ محترم ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کا خطاب تھا۔ شیخ صاحب کے خطاب سے پہلے میں نے عذابِ قبر کے موضوع پر مختصر بیان کیا۔ شیخ موصوف نے رافضیت پر اپنا علمی مقالہ پیش کیا۔ نمازِ جمعہ کے بعد میں لاہور روانہ ہو گیا اور رات کو مولانا ارشد کمال کے ہاں قیام کیا۔ اُنھوں نے بروز ہفتہ ۹ نومبر کا ٹکٹ لے رکھا تھا چنانچہ بروز ہفتہ میں کراچی روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن مجھے تقریباً ساڑھے نو بجے یہ خبر ملی کہ محترم شیخ وفات پا گئے ہیں۔ میں ۱۱ بجے اپنے گھر پہنچا اور ہوائی جہاز کا ٹکٹ حاصل کرنے کے لیے معلومات حاصل کیں۔ لیکن اتوار کی وجہ سے تمام ٹکٹ بک ہو چکے تھے۔ میں افسوس ہی کرتا رہ گیا کہ کاش میں وہیں ہوتا اور شیخ

صاحب کو اپنے ہاتھوں سے غسل دیتا۔ ان کو کفن پہناتا لیکن یہ سعادت تو اوروں کے لیے لکھ دی گئی تھی۔ بہر حال مسجد سعد بن معاذ، عمر خان روڈ بھٹہ ولیج کیماڑی میں ہم نے محترم شیخ صاحب کا غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کیا اور اس سے قبل مسجد ابراہیم کیماڑی میں نمازِ ظہر کے بعد نمازِ جنازہ غائبانہ ادا کیا گیا تھا۔ اور معلوم نہیں کہ محترم شیخ سے محبت رکھنے والوں نے کہاں کہاں اُن کے لیے نماز جنازہ غائبانہ ادا کیا ہو گا...!

احادیثِ رسول ﷺ سے شیخ کی والہانہ محبت واُلفت

ہمارے شیخ حق وصداقت کی علامت تھے۔ جس مسئلہ کا حق ہونا اُن پر واضح ہو جاتا، اُس پر مضبوطی سے ڈٹ جاتے اور دنیا کی کوئی طاقت اُنہیں اپنے موقف سے نہیں ہٹا سکتی تھی اور وہ اس معاملہ میں کسی لومۃ لائم کی بالکل پرواہ نہ کرتے تھے۔

اپنے بھی خفا مجھ سے، بیگانے بھی ناخوش　　میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!

احادیث کی صحّت وسقم کے بارے میں شیخ صاحب کی تحقیقات بہت وسیع تھیں اور ان کی عادت تھی کہ حدیث پر حکم لگانے سے پہلے اس حدیث کی پوری تحقیق فرمایا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں اگر اُن سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی اور اُنہیں جب اس کا احساس ہو جاتا تو وہ علانیہ اپنی غلطی سے رجوع فرماتے تھے اور یہ اُن کی بہت بڑی خوبی تھی جو خال خال لوگوں ہی میں نظر آتی ہے۔ موصوف کا صحیحین (بخاری ومسلم) کے بارے میں یہ موقف تھا کہ اِن کی تمام مرفوع روایات بالکل صحیح ہیں۔ اگر کسی نے بخاری یا مسلم کی روایت پر اعتراض کیا تو شیخ صاحب اس کا جواب لکھ دیا کرتے تھے۔

سنن اربعہ اور دیگر کتبِ احادیث میں صحیح کے ساتھ ساتھ ضعیف روایات بھی موجود ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں موصوف نے سنن اربعہ پر تحقیق وتخریج کا کام بھی کیا ہے جن میں سے ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی کو دار السلام نے شائع کر دیا ہے لیکن سنن ترمذی ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں مشکوٰۃ المصابیح، تفسیر ابن کثیر کو بھی مکتبہ اسلامیہ نے شیخ صاحب کی تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ نیز شمائل ترمذی شیخ صاحب کی تحقیق وتخریج اور عمدہ فوائد

کے ساتھ عنقریب شائع ہونے والی ہے۔

شیخ موصوف نے سنن اربعہ کی ضعیف و موضوع روایات کو بھی ایک جز میں اکٹھا کر دیا ہے جس کا نام أنوار الصحيحة في الأحاديث الضعيفة من السنن الأربعة رکھا۔ یہ کتاب سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کی ضعیف روایات کا مجموعہ ہے جس میں ان روایات کے اطراف، راویانِ حدیث، وجہ ضعف اور مختصر تخریج بھی درج کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ شیخ موصوف کی درج ذیل کتب بھی شائع ہو چکی ہیں:

① نصر الباری فی تحقیق جزء القراءۃ للبخاری

② جزء رفع الیدین للبخاری

③ تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء للبخاری (عربی)

④ الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین لابن حجر العسقلانی (عربی)

⑤ جزء علی بن محمد الحمیری (عربی)

⑥ مسائل محمد بن عثمان ابن شیبہ (عربی)

شیخ موصوف جب کسی روایت پر ضعف کا حکم لگاتے ہیں تو اُس کی وجہ ضعف بھی بیان کر دیتے ہیں کہ یہ حدیث کس وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ بعض لوگ کسی روایت پر حکم لگاتے ہیں لیکن اس حدیث کی وجہ ضعف بھی بیان نہیں کرتے۔ نیز شیخ موصوف جب کسی ایسے راوی پر تحقیق کرتے ہیں اور کچھ محدثین نے اُن پر جرح بھی کر رکھی ہوتی ہے تو موصوف جمہور محدثین کی توثیق کی وجہ سے اسے ثقہ قرار دیتے اور ایک مقالہ میں اُنہوں نے اس کے دلائل بھی ذکر فرما دیے ہیں۔

موجودہ دور میں گمراہ فرقے، ثقہ و ثبت رواۃِ حدیث کو اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے ضعیف باور کرانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں، ایسے باطل فرقوں کے خلاف موصوف کا قلم فوراً حرکت میں آ جایا کرتا تھا۔ حدیث بیان کرنے والے بعض رواۃ ایسے بھی ہیں کہ جنہیں عموماً ضعیف سمجھا جاتا ہے لیکن جب شیخ موصوف نے ان پر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک وہ ثقہ ہیں جیسے مؤمل بن اسماعیل، نعیم بن حماد خزاعی مروزی، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ

اور شہر بن حوشب وغیرہم۔

اور بعض حدیث بیان کرنے والوں پر بلاوجہ بھی کلام کیا گیا ہے اور موجودہ دور میں ان کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں شیخ موصوف کے مقالات کی طرف رجوع ضروری ہے۔

احادیث کی تصحیح وتضعیف میں فن تدلیس کا بھی بہت کردار ہے۔ محترم شیخ نے اس سلسلہ میں بہت سے مقالات تحریر فرمائے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی راوی اگر 'مدلس' ہے اور وہ کسی روایت کو عن سے بیان کر رہا ہے تو جب تک کسی دوسری روایت میں اس راوی کے سماع کی تصریح نہیں مل جاتی تو صحیحین کے علاوہ دوسری کتب میں نقل کردہ ایسی روایات ضعیف مانی جائیں گی اور اس بات کی وضاحت اُصولِ حدیث کی کتب میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ بلکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کسی راوی نے ایک ہی مرتبہ تدلیس کی ہو گی تو اس راوی کی روایت بھی سماع کی تصریح کے بغیر قبول نہیں کی جائے گی اور اس روایت کو ضعیف ہی مانا جائے گا۔ اور صحیحین کی روایات میں مدلسین کا عنعنہ قابل قبول ہے کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے وہ معنعن روایات ذکر کی ہیں کہ جن کے سماع کی تصریح دوسرے مقام پر موجود ہوتی ہے۔ اور اس فن پر جن لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں، اُنہوں نے وہاں اس کے ثبوت پیش کر دیے ہیں۔ اس سلسلہ میں بعض لوگوں نے بڑی فاش غلطیاں بھی کی ہیں اور کسی جگہ بعض رواۃ کی روایات کو تو ضعیف قرار دیا ہے لیکن بعض راویوں کی روایات کو صحیح قرار دے ڈالا ہے حالانکہ وہ رواۃ بھی مدلسین میں شامل ہیں۔

محترم شیخ نے احادیث کی تصحیح وتضعیف میں اُصولوں کی زبردست پابندی کی ہے اور اس سلسلہ میں اُنہوں نے خوب مطالعہ کرنے کے بعد ہی احادیث کی تصحیح وتضعیف کا کام کیا ہے۔ بعض لوگوں نے دوچار ضعیف احادیث کو ذکر کر کے اور ضعیف + ضعیف + ضعیف ذکر کر کے اس حدیث کو صحیح قرار دے ڈالا ہے۔ شیخ موصوف کا اُصول یہ ہے کہ کسی ضعیف روایت کے کتنے ہی ضعیف شواہد کیوں نہ ہوں، وہ حدیث اصلاً ضعیف ہی مانی جائے گی اور وہ اس وقت تک صحیح تسلیم نہیں کی جائے گی جب تک کہ اس کا کوئی صحیح شاہد نہ مل جائے۔ اس بحث کو مقالات

میں دیکھا جا سکتا ہے۔

موصوف کے مقالات ۵ جلدوں میں اور فتاویٰ علمیہ ۲ جلدوں میں چھپ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر موصوف کی کتب موجود ہیں۔ جن میں موصوف نے دلائل کے ساتھ صحیح موقف کو واضح کیا ہے اور لوگوں کی قرآن و حدیث کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔

موصوف نے منکرین حدیث کے ردّ میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔ مقلدین احناف میں دیوبندیوں اور بریلویوں کے ردّ میں بھی آپ نے بہت کچھ لکھا ہے اور اُن کے ایسے عقائد و نظریات، جو قرآن و حدیث کے خلاف ہیں، اُن پر کھل کر لکھا ہے اور قرآن و حدیث کی طرف اُن کی راہنمائی فرمائی ہے تاکہ وہ غلط عقائد و نظریات کو ترک کر کے خالص اسلام کی شاہراہ پر آجائیں۔ شیخ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص بھرا دل عطا فرمایا تھا اور آپ کی کوشش تھی کہ جس طرح اُنہوں نے خود حق و صداقت کو سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے، دوسرے لوگ بھی اس سچائی کی پیروی کر لیں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ جسے چاہتا ہے، صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے۔

شیخ صاحب کو قرآنِ کریم سے بھی والہانہ محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے اس دوران قرآن کو صرف ۳ ماہ میں حفظ کر لیا تھا اور پھر اپنے نام کے ساتھ حافظ لکھا کرتے تھے۔

محترم شیخ صاحب شروع میں اپنے والدِ محترم کی وجہ سے حنفی علما سے متاثر تھے کیونکہ ان کے والد جماعتِ اسلامی سے وابستہ تھے۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے چچا محترم نے اُنہیں ایک مرتبہ صحیح بخاری عنایت کی اور کہا کہ بیٹا! حدیث کی یہ کتاب صحیح ترین کتاب ہے، آپ اس کا مطالعہ ضرور کریں لیکن اس پر عمل نہ کرنا۔ میں حیران رہ گیا کہ جب بخاری شریف حدیث کی سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے تو پھر اس پر عمل سے کیوں روکا جا رہا ہے؟ چنانچہ میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا اور اس پر عمل کرنا بھی شروع کر دیا اور جہاں رفع الیدین کا ذکر آیا، میں نے اپنے طور پر رفع الیدین بھی کرنا شروع کر دیا۔

شیخ موصوف جدید تعلیم یافتہ بھی تھے۔ اُنہوں نے انگلش میں ایم اے کیا تھا اور فرماتے ہیں کہ میں نے پشتو زبان بھی پڑھی اور اس میں مہارت حاصل کرنے کے لیے پشتو کی گرامر بھی

پڑھی۔ اگر میں اتنی محنت عربی زبان پر کرتا تو عربی میں مزید ماہر ہو جاتا۔

موصوف تقریباً ۲۳ سال کی عمر میں دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ شروع میں انہوں نے اپنے اُستاد شیخ اللہ دتہ رحمۃ اللہ علیہ سے علم سیکھا اور جہلم میں باقاعدہ پڑھ کر وہاں سے سندِ فراغت حاصل کی۔ موصوف انتہائی ذہین انسان تھے، اس لیے اُنہوں نے چند سالوں میں ہی دینی علوم میں دسترس حاصل کرلی تھی اور پھر انہوں نے دینی کتب کا مطالعہ شروع کر دیا جس سے ان کے علم میں نکھار پیدا ہو گیا۔

میں نے ۱۹۸۴ء میں عذابِ قبر کے منکر ڈاکٹر عثمانی کے ردّ میں ایک کتاب 'الدین الخالص' لکھی تھی جس کا مطالعہ موصوف نے بھی کیا۔ اس وقت تک میری شیخ صاحب سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ شیخ نے مجھے خط لکھا اور اس میں میری ایک غلطی کی نشاندہی کی میں نے ایک محدث ابو احمد الحاکم کے متعلق لکھا کہ وہ متساہل ہیں شیخ صاحب نے بتایا کہ ابو احمد الحاکم متساہل نہیں ہیں بلکہ وہ ابو عبد اللہ الحاکم صاحبِ مستدرک ہیں کہ جو متساہل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محترم شیخ صاحب کے علاوہ کسی دوسرے عالم نے میری اس غلطی کی نشاندہی نہ کی تھی۔ پھر شیخ صاحب نے مجھے یہ بھی بتایا کہ شروع میں، مَیں قبر میں سوال وجواب کے وقت اعادۂ روح کا قائل نہ تھا لیکن آپ کی کتاب کے مطالعہ کے بعد میں اعادۂ روح کا قائل ہو گیا۔

شیخ صاحب ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے تھے۔ کمال عثمانی صاحب نے ان سے کہا کہ آپ نمازِ جمعہ کے بعد ڈاکٹر عثمانی سے بات کرنے کے لیے تشریف لے جائیں اور اُن سے سوال کریں کہ اُنہوں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو کس دلیل کی بنیاد پر کافر قرار دیا ہے؟ (نعوذ باللہ من ذلک) ڈاکٹر عثمانی کا دعویٰ تھا کہ چونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ قبر میں سوال وجواب کے وقت روح لوٹائی جاتی ہے، اس بنا پر میرا ان کے بارے میں یہ موقف ہے۔ اور دلیل کے طور پر ڈاکٹر موصوف نے امام احمد کی طرف منسوب 'کتاب الصلوٰۃ' کا حوالہ دیا تھا اور حوالہ کے طور پر اُنہوں نے دیوبندی عالم مولانا سرفراز خان صفدر کی کتاب 'تسکین الصدور' کا عکس دیا تھا جبکہ کتاب الصلوٰۃ میں یہ مسئلہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور پھر کتاب الصلوٰۃ کا

انتساب بھی امام احمد بن حنبل کی طرف درست نہیں۔ یہ کتاب ان کی طرف منسوب ہے لیکن در حقیقت یہ کتاب اُن سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ طبقاتِ حنابلہ میں اعادۂ روح کی بات موجود ہے لیکن اس کی سند میں کئی رواۃ مجہول ہیں[1]۔ جب موصوف وہاں تشریف لے گئے اور ڈاکٹر عثمانی سے سوال کیا کہ آپ نے کس دلیل کی بنیاد پر امام احمد بن حنبل کو کافر کہا ہے؟ اس کا ثبوت پیش کریں۔

ڈاکٹر عثمانی نے شیخ صاحب کو ٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن شیخ صاحب نے ان سے مطالبہ کیا کہ آپ طبقاتِ حنابلہ لائیں تاکہ میں آپ کو بتاؤں کہ اس سند میں کیا خامی ہے۔ ڈاکٹر عثمانی کہنے لگا: تم الف ب تو جانتے نہیں کل کے بچے ہو (اس کا خیال تھا کہ شیخ صاحب کو عربی نہیں آتی ہو گی) شیخ صاحب نے ڈاکٹر عثمانی سے عربی میں گفتگو شروع کر دی۔ شیخ صاحب روانی سے عربی بول رہے تھے جبکہ ڈاکٹر عثمانی اٹک اٹک کر گفتگو کر رہے تھے۔ جب ڈاکٹر عثمانی زچ ہو گیا تو کہنے لگا کہ اُردو میں بولو، ورنہ یہیں بات چیت ختم کر دوں گا۔ شیخ صاحب کا وہی مطالبہ تھا کہ کتاب پیش کرو کیونکہ آپ نے اتنا بڑا فتویٰ لگایا ہے۔ ڈاکٹر عثمانی نے پینترا بدل کر کہا کہ میاں! تم کتاب کیوں نہیں لائے؟ شیخ صاحب نے کہا کہ دعویٰ آپ کا ہے، کتاب میں کیوں لے کر آؤں؟ اور آخر میں ڈاکٹر عثمانی نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ جب تم کتاب لاؤ گے تو پھر گفتگو ہو گی۔ اس گفتگو میں ڈاکٹر عثمانی نے چالاکی کی حد کر دی لیکن اپنا دعویٰ وہ ایک عالم دین کے سامنے ثابت نہ کر سکے۔ شیخ صاحب اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکاڈر بھی لے گئے تھے لیکن اس میں صحیح ریکاڈنگ نہ ہو سکی تھی۔ اللہ کی قدرت دیکھیے کہ ڈاکٹر عثمانی کے ہی ایک مرید سے صاف ریکارڈنگ مل گئی جو پھر بعد میں کئی لوگوں نے سن کر اپنے نظریات اور امام احمد بن حنبل پر بہتان کی اصلاح کی۔

یہ واقعہ غالباً ۱۹۸۵ء میں کا ہے۔ اس وقت شیخ صاحب کی عمر ۲۷ سال کے لگ بھگ تھی۔

شیخ صاحب کو علامہ بدیع الدین شاہ راشدی اور ان کے بھائی سید محب اللہ راشدی رحمہم اللہ سے بے انتہا محبت تھی اور ان دونوں شیخین سے اُنہوں نے اجازتِ حدیث کی سند بھی حاصل کی

۱ دیکھیے میری کتاب الدین الخالص: قسط دوم / ص ۲۲، ۲۳

تھی اور پھر مجھے بھی کہا کہ آپ بھی ان سے 'اجازۂ حدیث' حاصل کر لیں۔ چنانچہ میں نے بھی ان دونوں بزرگوں سے 'اجازۂ حدیث' حاصل کرلی۔ شیخ موصوف نے اپنے رسالہ 'الحدیث' میں ان دونوں بزرگوں کا مفصل تذکرہ کیا ہے اور پھر اپنے مقالات میں بھی ان کے تذکروں کو نقل کیا ہے۔[1]

میں نے ۱۹۸۹ء میں کتاب 'الفرقۃ الجدیدۃ' لکھی جو فرقہ مسعودیہ کے ردّ میں تھی۔ اور اس کتاب میں شیخ صاحب کے ایک مضمون کو میں نے بطورِ مقدمہ شامل کتاب کر لیا تھا۔ شیخ صاحب نے میری اس کتاب کو بے حد پسند کیا اور شیخ صاحب جو مضمون فرقہ مسعودیہ کے ردّ میں لکھتے، اس میں میری کتاب 'الفرقۃ الجدیدۃ' کو پڑھنے کی خاص تاکید فرماتے۔ اس کتاب میں ذکر کردہ احادیث کی تحقیق و تخریج کا کام بھی شیخ صاحب نے فرمایا تھا۔ شیخ صاحب نے میرا ایک مضمون 'بے اختیار خلیفہ کی حقیقت' بھی الحدیث کے شمارہ نمبر ۲۲ میں شائع فرمایا تھا اور اس مضمون کو اُنہوں نے بے انتہا پسند فرمایا اور اس کا پروف بھی مجھے تصحیح کے لیے بھیجا تھا۔

موصوف نے ماہنامہ 'الحدیث' کا آغاز جون ۲۰۰۴ء سے فرمایا تھا اور اب نومبر ۲۰۱۳ء میں اس کا شمارہ نمبر ۱۱۱ آچکا ہے۔ اس رسالہ کو بعد میں ماہنامہ 'اشاعۃ الحدیث' کا نام دے دیا گیا۔ ۹ سال کے اس عرصہ میں موصوف کے قلم سے ایسے علمی و تحقیقی مضامین منظر عام پر آئے کہ جس نے علمی دنیا کو حیران کر کے رکھ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ موصوف نے اپنے آپ کو دین کے کام اور خدمت و دفاعِ حدیث کے لیے وقف کر دیا تھا۔ موصوف نے یہ علمی و تحقیقی کام قرآنِ کریم اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق شروع کیا تھا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا ﴾[2]

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔" (اور تحقیق کے بعد ہی اسے لوگوں کے سامنے پیش کرو)

۱ دیکھیے: مقالات حصہ اول ۴۸۴ تا ۵۰۶

۲ الحجرات: ۶

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«كفى بالمرء أن يحدّث بكل ما سمع»[1]

"کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کرے۔ (اور اس کی تحقیق نہ کرے)"

شیخ صاحب نے اس عرصہ میں بے شمار علمی و تحقیقی مضامین لکھے جن میں سے بہت مضامین اُنہوں نے ماہنامہ 'اشاعۃ الحدیث' میں شائع کر دیے۔ اور اب یہ تمام مضامین کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکے ہیں اور دین حق کے پروانے ان مضامین سے اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں۔ شیخ صاحب کی اکثر کتب کو لاہور میں مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار والے مولانا محمد سرور عاصم شائع کرتے رہے۔ ان کتابوں سے شرک و کفر، بدعات اور تقلید جامد کے اندھیرے چھٹنے لگے اور لوگوں کے قافلے قرآن و حدیث اور توحید و سنت کی طرف رواں دواں ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان اور نورِ قرآن و حدیث سے لوگوں کے سینوں کو منور کرنا شروع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ سے اُمید واثق ہے کہ شیخ صاحب کی یہ تمام تگ و دو اسلام کے چشمہ صافی کو تیز تر کرنے اور اس کی نشأۃِ ثانیہ کے لیے خالص بنیاد کا کام کرے گی۔ شیخ صاحب تو دنیا سے روانہ ہو چکے لیکن ان کا مشن سنبھالنے کے لیے ان کے شاگرد میدانِ عمل میں مصروف ہیں۔ شیخ صاحب کی جدائی کا صدمہ یقیناً ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے لیکن شیخ صاحب جو دینی اثاثہ چھوڑ گئے ہیں، وہ ہمارے لئے تقویت کا زبردست سہارا ہے۔ گویا شیخ محترم ہم سے جدا ہونے کے بعد ہمارے درمیان زندہ ہیں، ان کے ورثہ کی حفاظت اللہ کی مدد سے ان کے شاگرد اور ساتھی کریں گے اور کتاب و سنت کی جس شاہراہ پر آپ زندگی بھر مصروف اور گامزن رہے ہیں، اللہ کی توفیق سے ہم اس راہ کو کھوٹا نہ کریں گے بلکہ یقین محکم کے ساتھ علم کی اس راہ پر رواں دواں رہیں گے۔

شیخ محترم نے جو کچھ محنت فرمائی ہے، اسے وہ اپنے پیچھے صدقہ جاریہ بنا کر چھوڑ گئے ہیں۔ محترم شیخ نے طلبا و طالبات کے لیے اپنے ہاں مدرسہ کی بنیاد بھی رکھ دی تھی اور یہ قافلہ بھی اب

[1] صحیح مسلم:۵

اپنی منزلیں طے کر رہا ہے اور یہ ننھے ننھے پودے بھی ان شاء اللہ بارآور درخت بن جائیں گے اور محترم شیخ صاحب کے لیے صدقہ جاریہ کا کام کرتے رہیں گے۔

ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ محترم شیخ ہمیں اتنے جلدی چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ ان کی رفاقت کے لمحات یقینی طور پر یاد آتے رہیں گے۔ ان کا حسین اور منور چہرہ نظروں کے سامنے جب آتا ہے تو دل کو طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ ان کی گفتار ورفتار اور نشست وبرخاست ہر لمحہ یاد آتی رہے گی۔ جانے والے تم ہمیں بہت یاد آؤ گے!!

شیخ محترم کو جو مقام اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا، اسے کسی شاعر نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

ایں سعادت بزوربازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

"ایسے مراتب بزورِ بازو حاصل نہیں ہوتے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔"

ایسے علمائے کرام جو راسخون فی العلم کے درجہ پر فائز ہیں، دنیا ان کے وجود سے خالی ہوتی جا رہی ہے، شیخ صاحب کا شمار ان نابغہ روزگار ہستیوں میں ہے کہ ایسے علما صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کے شاگردانِ باوفا آپ کو اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے جان نثار ساتھی سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی موت پر جو دعا مانگی تھی، ہم بھی محترم شیخ صاحب کے لیے وہی دعا مانگتے ہیں: اللهم اغفر لحافظ زبير عليزئي وارفع درجته في المهديين واخلفه في عقبه في الغابرين واغفرلنا وله يا رب العالمين وافسح له في قبره ونور له فيه

"اے اللہ! حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت فرما، ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کا درجہ بلند فرما، اس کے پیچھے باقی رہ جانے والوں میں تو اس کا خلیفہ بن جائے۔ تمام جہانوں کے پروردگار! ہمیں اور اسے بخش دے، اس کی قبر کو کشادہ فرما اور اسے (نور سے) منور فرما۔"

شیخ صاحب کے اہل وعیال اور عزیز واقارب سے ہم اِنہی الفاظ سے تعزیت کرتے ہیں۔

اے اللہ! ہمارے شیخ حافظ زبیر علی زئی کی مغفرت فرما، اُن کی لغزشوں کو معاف فرما اور جنت الفردوس میں ان کو اعلیٰ مقام نصیب فرما۔ آمین!